© rasailojaraid.com

اسلامی معاشرہ
عہد فاروقی میں

(جناب حبیب احمد صاحب)

بلادِ عرب میں مذہبی اور اجتماعی انقلاب اس سیاسی انقلاب سے جا ملا، جس نے عربوں کو پراگندگی کے بعد متحد کیا تھا اور فتوحات کو وہ غیر معمولی وسعت دی تھی جو عہد فاروقیؓ کا ایک نمایاں امتیاز ہے۔ ان عوامل نے ایک دوسرے کی مدد کی اور عرب اپنی عمرانی اور اقتصادی زندگی کے ایک ایسے مرحلے پر پہنچ گئے جس کا تصور بھی ان کے اور ان کے اسلاف کے ذہن میں نہ آیا تھا۔ ہزاروں اور لاکھوں بدوی عراق و شام کی متمدن آبادیوں میں منتقل ہو گئے اور ان میں سے اکثر نے دمشق، حمص، قنسرین، مدائن، کوفہ، بصرہ اور ایسے ہی دوسرے بھرے پُرے بارونق شہروں میں سکونت اختیار کر لی۔ انھوں نے اسکندریہ، منف، طیبہ اور مصر کے دوسرے شہروں میں تعمیر و صنعت کے کارنامے، سرسبز و شاداب کھیت اور اثمار و فواکہ سے لدے پھندے باغ دیکھے۔ پھر غنیمت کے مال اور وظائف کی آمدنی سے جو کچھ انہوں نے حاصل کیا، اس سے نہ صرف یہ کہ ان کی تنگ دستی دُور ہو گئی، بلکہ ان کی زندگی میں راحت و آسودگی کا رنگ نکھر گیا۔ اس کے بعد انہیں شام میں روم کے روح پرور پھول اور عراق کے متحرک مناظر نے انہیں دعوتِ نظارہ دی، اور ان ساری چیزوں میں ان کی نگاہیں ایک ایسے حُسن اور ایک ایسی دل کشی سے ― من بھاتی رنگین زندگی کی دل کشی سے ― آشنا ہوئیں کہ یہ دل کشی نہ انہیں اپنی خانہ بدوشی کی زندگی میں نظر آتی تھی، نہ تہذیب و حضارت کی زندگی میں۔

آپ کا کیا خیال ہے: وہ کون سا اثر تھا جس کی بنا پر اس عہد کے عربوں کی اجتماعی زندگی جھٹکے سے محفوظ اور متوازن رہی؟

اس سوال کا جواب دینے کے لیے ضروری ہے کہ ہم ان محرکات میں ایک محرک ـ ڈاکٹر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محرک ــ شامل کردیں جس نے ان بدلے ہوئے حالات میں ان کی رہ نمائی کی۔ یہ محرک خود حضرت عمرؓ کی ذات تھی۔ فقہ و سیاست اور اقتصادیات و اجتماعیات میں جو اجتہاد حضرت عمرؓ نے کیے ان کا اسلامی معاشرے اور تمام عربوں پر بڑا اثر پڑا۔ عام اس سے کہ وہ جزیرہ نمائے عرب میں مقیم ہوں یا مفتوحہ ممالک میں جاکر آباد ہو گئے ہوں۔ دین اور زندگی سے معاملت میں یہی تفقہ اور اجتہاد تھا، جس نے یکسر بدلے ہوئے حالات میں مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کو ٹھوکر کھانے سے بچایا اور اس نے ہر جگہ ان کے ذہن پر اسلامی روح کی سیادت برقرار رکھی۔

نفس انسانی جب روحانی بلندیوں کی طرف پرواز کرتا ہے، تو خواہشوں کی مقناطیسی قوتیں اسے ہمیشہ اس سطح پر کھینچنے کی کوشش کرتی ہیں جو ان کی طینت و طبیعت سے مناسبت رکھتی ہے فضا میں اڑنے والے اس پرندے کی طرح، جو ہمیشہ کشش زمین کی زد میں رہتا ہے کہ جہاں اُسے اتھر کی بلندیوں میں لے جانے والی قوت جھکولا کھائے وہ زمین پر آ رہے۔ پس اگر امیرالمومنینؓ دوسروں کے واسطے نمونہ بننے کے لیے سب سے پہلے خود اپنے نفس کا مقابلہ نہ کرتے، اور پھر اسلامی معاشرے کو استوار کی تقویت نہ دیتے، تو اندیشہ تھا کہ وہ اصول و مبادی مسخ و محرف نہ کر دیے جائیں، جو انہیں اس قوت اور اس بلندی کی طرف لے گئے تھے۔ اور دنیا کی زینتیں اور نفس کی خواہشیں اُن پر غالب آ کر، انہیں حسب اپنی روش پر لے دوڑیں اور پھر اس روش کو ایک ایسے نئے روپ میں نہ ڈھال دیں کہ دیکھنے والا اسے اسلام کے مبادی و تعلیمات کا پرتو سمجھنے لگے۔ حضرت عمرؓ اسی لیے مسلمانوں کے سب سے زیادہ محتاج اور سب سے زیادہ کمزور شخص کے محسوسات اپنے اوپر طاری کرنے کی خاطر اپنی ذات پر ما لا یطاق سختیاں جھیلتے تھے، یہاں تک کہ کبھی کبھی تو ان کے ساتھیوں کو ان کی زندگی خطرے میں نظر آنے لگتی تھی۔ جب اُن کا اپنے ساتھ یہ حال تھا، تو پھر ان کے لیے بالکل جائز تھا کہ جس کسی کو انصاف و تقویٰ کی مخالفت کرتے، یا خلوص و اخلاق کی راہ سے انحراف کرتے دیکھیں، اس سے بشدت باز پرس کریں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے عمال کا محاسبہ بڑی شدت سے کرتے تھے۔ جس عامل میں کجی پاتے، اسے فوراً معزول کر دیتے۔ لیکن جو عمال اپنے فرائض عدل و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تقویٰ کے ساتھ انجام دیتے، ان کے وقار کی حفاظت کرتے اور ان کے اقتدار کو تقویت پہنچاتے تھے۔ وہ تنفیذِ اصول و ضوابط میں سخت گیر تھے اور تفریع و استنباطِ احکام میں کامل توسیع کے ساتھ اجتہاد کرتے تھے۔ وہ اجتماعیات و اقتصادیات میں ایسی قطعی اور واضح راہیں نکالتے، جن کے متعلق ان کا خیال تھا کہ وہ دینِ قیم کے اصول و مبادی کو، ان کی تمام تر پاکیزگی کے ساتھ برقرار رکھنے کی ضامن ہیں۔

حضرت عمرؓ کی مثالی شخصیت اور اقتصادیات و اجتماعیات میں ان کی سیاست نے ان خصوصیات کی قوت و سلامتی میں کوئی کمی پیدا نہ ہونے دی۔ بوجہ حملہ و پیش قدمی کے دورزن میں عربی ذہن کا ایک جزو بن گئی تھیں۔ حضرت فاروقؓ نے غازیانِ عرب کو عراق و شام و مصر میں کھیتی باڑی کی اجازت نہ دی بلکہ جنگ آزما اور فاتح لشکریوں کی حیثیت سے چھاؤنیوں ہی میں رکھا۔ چنانچہ وسیع و عریض مملکت اسی سیاست کا حتمی نتیجہ تھی۔ پھر حضرت عمرؓ کے اجتہاد نے عربوں کی عقلی قوتوں کو ان میدانوں میں گرمِ جولاں کر دیا جو ان کے فکر و نظر کے لیے بالکل نئے تھے۔ دولت کی ریل پیل نے لوگوں کو اس کا طلب گار بنا دیا اور ان میں جمعِ مال کی حرص پیدا ہو گئی۔ بعض لوگوں نے اس رجحان کی ستایش کی اور اسے مسلمانوں کی آسودگی کے لیے بہتر سمجھا۔ لیکن بعض نے اسی جذبے کو عیب و مذلت کی نظر سے دیکھا اور اسے اسلامی دعوت کے اصول و مبادی کے منافی قرار دیا۔ یہ لوگ اپنی رائے کی سند میں یہ ارشادِ الٰہی پیش کرتے تھے:

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى (۹۶:۶۔۸)

مگر انسان سرکش ہو جاتا ہے جب اپنے تئیں مستغنی پاتا ہے۔ بے شک (اے انسان) تیرے رب ہی کی طرف ہے بازگشت۔

زمانۂ جاہلیت میں عرب قبائلی اور نسلی تعصب کا شکار تھے، لیکن دعوتِ اسلامی فطرۃً اس جاہلی عصبیت کے خلاف تھی۔ وہ تمام انسانوں کو ایک سطح پر رکھتی تھی اور فضیلت کا معیار انسان کے عمل اور اس کے تقویٰ کو قرار دیتی تھی۔ اس میں عرب اور غیر عرب کی کوئی تمیز نہ تھی۔ قرآن اس باب میں دوٹوک کہتا ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (۴۹:۱۳)

بے شک تم میں بزرگ تر اللہ کے نزدیک وہی ہے جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

اسلام تمام انسانوں کے لیے نازل ہوا تھا۔ چاہے وہ گورے ہوں یا کالے، عربی ہوں یا عجمی، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبے میں ارشاد فرمایا تھا: لوگو! اللہ تعالیٰ نے جاہلی نخوت اور آبائی فخر و ناز کو تم سے دور کردیا ہے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ پرہیزگاری کے سوا کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں" اس کے باوجود قبائلی اور نسلی تعصب اکثر عربوں کے دل میں اسی شدت اور اسی قوت کے ساتھ باقی رہا۔ بلکہ نسلی تعصب تو ان کے روم و ایران میں پھیل جانے اور ان دونوں ملکوں کے باشندوں پر حکومت کرنے سے اور بڑھ گیا اور عربوں کو یقین ہو گیا کہ قضا و قدر نے جو پیغام ان کے سپرد کیا ہے، وہ صرف انھی کے لیے مخصوص ہے۔ اس میں کوئی دوسرا ان کا شریک نہیں۔

فتوحات نے عربوں کے نسلی تعصب کو دگنا اور چوگنا کر دیا، اور کیسے نہ کرتیں جب کہ وہ دیکھ رہے تھے کہ ایران و روم کی عظیم الشان سلطنتیں ان کی قوت کے سامنے زمیں بوس ہو رہی ہیں۔ ان کا اقتدار اسلامی ضرب سے پارہ پارہ ہو رہا ہے۔ شاید وہ اس تعصب میں کوئی برائی بھی محسوس نہ کرتے تھے، کہ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق ارشاد فرما رہا تھا

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (۳ : ۱۱۰)

تم ہی دنیا میں وہ بہترین گروہ ہو جسے انسانوں کی ہدایت کے لیے اٹھایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اور:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (۲ : ۱۴۳)

اور اسی طرح ہم نے تمھیں امت وسط بنایا ہے۔ تاکہ تم دنیا جہان کے لوگوں پر گواہ ہو، اور رسول تم پر گواہ ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عربوں نے ان آیتوں کو تو یاد رکھا لیکن اُن بہت سی آیتوں کو وہ بھول گئے جن میں اللہ نے ان پر ملامت و سرزنش کی ہے۔ اسی طرح وہ اخوت و مساوات کے ان اصولوں کو بھی فراموش کر بیٹھے، جن کی طرف اسلام نے دعوت دی تھی، اور جنہیں اسلام نے ایمان کی بنیاد بنایا تھا۔

نسلی تعصب کے بارے میں ہم عربوں پر گرفت نہیں کر سکتے۔ اس لیے کہ نسلی تعصب آج بھی قوموں کا شعار ہے، جسے نہ صرف یہ کہ بُرا نہیں سمجھا جاتا، بلکہ قابلِ تحسین سمجھا جاتا ہے اور اس کی تقویت کے لیے بڑے انہماک سے، ذہن کی پوری توانائیوں کے ساتھ کام بھی کیے جاتے ہیں۔ کیا سفید فام نسل آج اس زعم میں مبتلا نہیں ہے کہ قضا و قدر نے اُسے رنگ دار نسلوں کی تہذیبی رہنمائی کے لیے منتخب کر لیا ہے، اور کیا آرین نسل یہ نہیں سمجھتی کہ وہ سامی اور اس کے علاوہ دوسری تمام نسلوں پر برتری رکھتی ہے۔ اس کی ذہانت سب سے زیادہ تیز اور اس کی عقل سب سے زیادہ نکتہ رس ہے، اور اسے علم و فن میں تمام قوموں سے بڑھ کر تخلیقی و اختراعی قوتیں حاصل ہیں۔ یونانی اور جرمن نسلوں کو اپنے متعلق اسی قسم کا دعویٰ ہے، جس کے ڈھول پر اقبال مند قوم ہٹیتی ہے اور اپنے وقت کی سازگاری کو غلامی کا شکنجہ بنا کر دوسری قوموں کو اس میں کستی ہے۔ سب کی سب سفید فام قومیں گلا پھاڑ پھاڑ کے یہ دعویٰ کرتی ہیں، حالانکہ وہ اس تاریخی حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ حکومت و اقتدار ایک ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے، جو مختلف نسلوں، رنگوں اور قوموں میں گردش کرتی رہتی ہے، کبھی معنوی زندگی کے روپ میں اور کبھی اقتصادی زندگی کے روپ میں۔ لیکن اس کا کسی خاص نسل یا کسی خاص رنگ سے ہرگز کوئی ناطہ نہیں ہوتا۔ اس حقیقت کو دیکھتے سمجھتے ہوئے اگر اس زمانے میں عربوں کا نسلی تعصب شدید سے شدید تر ہو گیا، جب وہ ساری دنیا پر چھا گئے تھے اور جب تہذیب کی تمام کنجیاں ان کے ہاتھوں میں آ گئی تھیں، تو یہ کوئی انوکھی بات نہ تھی۔

عہدِ فاروقیؓ میں مسلمان، تیغ آزمائیوں اور ظفرمندیوں میں منہمک رہے اس لیے قبائلی تعصب اور اس سے پیدا ہونے والے جھگڑے جنم نہ لے سکے۔ لیکن فتوحات کے نتیجے میں جو مالِ غنیمت انہیں ملا، اور عراق و شام و مصر میں سکونت اختیار کر لینے والے بدویوں کی زندگی میں جو تغیر پیدا ہوا۔ اس سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہت سے دلوں میں مادی آسائشوں کی امنگ پیدا کر دی۔

عرب زمانۂ جاہلیت میں نبیذ اور شراب کے رسیا تھے، موسیقی اور ملاعبت ان کے من بھاتے مشغلے تھے اور جتنی سہولت انہیں حاصل ہوتی تھی، یا زندگی کے شدائد سے جتنے لمحے وہ بچا سکتے تھے، اُن میں اپنی خواہشوں کی تشفی کے لیے بے چین رہتے تھے۔ چنانچہ جب فتوحات نے ان پر آسائشوں کے دروازے کھولے اور عیش و راحت کے اسباب انہیں میسر آئے، تو ان میں سے اکثر ان مرغوبات کی طرف دوڑے، جو پہلے سے اُن کے دل کی تہوں میں چھپے ہوئے تھے۔ ادھر منطق اپنا یہ فتویٰ لے کر حاضر ہوئی کہ ان مرغوبات سے اوامر و نواہی، یا اللہ کی قائم کردہ حدود کی خلاف ورزی نہیں ہوتی اور اس طرح ان کی ذہنی تسکین کا سامان فراہم ہو گیا۔ چنانچہ شراب کے شیدائی جام و ساغر کی طرف ڈھل گئے۔ اُن کے خیال میں شراب نوشی کوئی گناہ کا کام نہ تھا۔ رہا جنسی شغف کا مسئلہ، سو بہت سے لوگوں کی بے لگام خواہشوں کا پیٹ کنیزیں بھر دیتی تھیں ــــ روم و ایران کی کنیزیں ــــ یہ کنیزیں مالِ غنیمت کی طرح فوج میں تقسیم کر دی جاتی تھیں اور بازاروں میں بھی بیچنے کے لیے لائی جاتی تھیں کہ جو کوئی اپنی خواہشوں کو آسودہ کرنا چاہے، انہیں خرید لے۔

یہ کوئی اچنبھے کی اور اَن ہونی بات نہیں، انسانی فطرت کا ایک عام واقعہ ہے۔ پھر ہم جانتے ہیں کہ جنگ انسانی جذبات کو بھڑکاتی ہے۔ خواہشوں کو بے لگام کرنا اور ان کی تسکین و تشفی کے نت نئے اور بیش از بیش سامان فراہم کرنا رزم و پیکار کی فطرت ہے، اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اس سے محض ادنیٰ خواہشیں ہی بیدار ہوتی ہیں، کوئی بلند جذبہ وجود میں نہیں آتا۔ فوجوں کا ہر زمانے میں یہی حال رہا ہے، آج بھی ــــ باہمہ فلسفہ طرازی ــــ اس کا یہی حال ہے۔ اور اسی سے اُن بعض واقعات کی توجیہ و تفسیر بھی ہوتی ہے جو اسلامی فتوحات کے زمانے میں پیش آئے، اور جن کا ذکر ادب و تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے۔

خواہشوں کی بے عنانی کے ایسے فتنہ بدوش طوفانی دور میں حضرت عمرؓ نے جس عزم و احتیاط سے اپنے معاشرے کی نگہداشت کی، اس کو صرف خدا داد تفقہ ہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فطرت کے بے ضرر تقاضوں اور خواہشوں کی بے عنانی کے درمیان آہنی قلعہ بن گئے۔ عربوں کی اُن گوناگوں دلچسپیوں کے مقابلے میں جنہیں اسلام نے جائز قرار دیا تھا ___ یا کم از کم ناجائز قرار نہیں دیا تھا ___ مصالحانہ موقف اختیار کیا۔ اور جو چیزیں نفس میں فتنوں کو جگاتی اور شہوانی وسوسوں کے نار بلاتی ہیں، ان کے مقابلے میں فاروقِ اعظم کا موقف قطعاً استیصالی تھا۔ ان دلچسپیوں میں سماع الحان، اور غناء کو سب پر تقدم حاصل تھا، کہ غناء اور سماع سے جتنی شیفتگی عربوں کو تھی، دنیا کی بہت کم قوموں میں اس کی مثال ملتی ہے۔ بلکہ سماعِ الحان، عربوں کی ضروریاتِ زندگی میں شامل تھا۔ حُدی، ان کو اور ان کے اونٹوں کو مسافت کی دشواری بُھلا دیتی اور اس کی مشقت ان پر آسان کر دیتی تھی۔ راتوں کے لمبے سفر کے بعد جب وہ سستانے کے لیے پڑاؤ ڈالتے تو غناء ہی ان کے تعب کا مداوا ہوتا تھا۔ خصوصاً جب کوئی ایسا خوش گلو مغنی شریکِ سفر ہوتا جس کے نغمے ان کے دلوں میں اپنے گھر، اہل و عیال کا شوق، یا انتقام کی خواہش یا حصولِ شرف کی لگن تیز تر کر دیتے۔ اس کا رواج عرب کے بادیہ نشینوں اور شہریوں دونوں میں تھا۔ غناء و سماع الحان کی محفلیں جس طرح مکے، مدینے اور جزیرہ نمائے عرب کے دوسرے شہروں میں برپا ہوتی رہتی تھیں اسی طرح وہ انتہائے جنوب سے انتہائے شمال تک ریگستان کے مختلف گوشوں میں بھی منعقد کی جاتی تھیں۔ حضرت عمرؓ اپنی خشونت کے باوجود سماعِ الحان سے لطف اندوز ہوتے، اور کبھی کبھی ترنم سے شعر پڑھتے تھے۔ ایک قافلے کے ساتھ، جس میں حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت ابن عباس شامل تھے، چرواہوں کی ایک ٹولی بھی روانہ ہوئی۔ رباح فہری، جو نغمہ و حُدی میں باکمال تھا، اس قافلے کے ہمراہ تھا۔ شام ہوئی تو چرواہوں نے رباح سے حدی کی فرمایش کی۔ رباح نے کہا: "عمرؓ کے ہوتے ہ؟" چرواہوں نے بدوی ذہانت سے کام لیا: "تم شروع کرو، اگر وہ منع کریں خاموش ہو جانا۔" رباح نے حُدی شروع کی، حضرت عمرؓ نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ اور جب صبح ہونے کو آئی تو رباح سے فرمایا: بس! اب ذکرِ الٰہی کا وقت ہے۔ دوسری شب چرواہوں نے رباح سے "نصیب" کی فرمائش کی اور جب اس نے حضرت عمرؓ کے خوف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے انکار کیا، چرواہوں نے کہا: "خاموش ہو جانا اگر وہ منع کریں، شروع تو کر دو" حضرت عمرؓ صبح تک یہ گیت بھی سنتے رہے۔ جب صبح کی دھاری نمودار ہونے لگی تو رباح سے فرمایا: "بس! اب ذکرِ الٰہی کا وقت ہے"۔ تیسری رات چرواہوں نے رامش گروں کے گانے کی فرمایش کی لیکن رباح نے گنگنانا ہی شروع کیا تھا کہ حضرت عمرؓ کی آواز بلند ہوئی: "چھوڑ دو، یہ دلوں میں نفرت پیدا کرتا ہے"۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ حج کے لیے مدینۂ مبارکہ سے روانہ ہوئے۔ اہلِ قافلہ نے خوّات بن جُبَیر سے فرمایش کی کہ وہ ضرار کے شعر زمزمے اور ترنم کے ساتھ سنائیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا: "نہیں ان سے خود ان کے جگر پارے سنو"۔ خوّات نے اپنے شعر سنائے، یہاں تک کہ نمودِ صبح ہوئی، حضرت عمرؓ نے کہا: "خوّات! اب زمزمہ چھوڑ دو، فجر کا وقت آگیا"۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کسی قافلے کے ساتھ تھے، ذہن میں ایک شعر کھٹکا اور زمزمہ ریز ہوگئے

وما حملت من ناقة فوق رحلها
أبرّ وأوفى ذمة من محمد

اہلِ قافلہ لحنِ فاروقی سننے امنڈ پڑے۔ حضرت عمرؓ نے جو انہیں جمع ہوتے دیکھا قرآن شروع کر دیا، وہ منتشر ہو گئے۔ حضرت عمرؓ پھر مترنم ہوئے، وہ لوگ پھر پلٹے، حضرت عمرؓ نے للکارا: "اے راہ افتادو! جب میں نے شیطانی ساز چھیڑا، تم ٹوٹ پڑے، اور جب میں نے قرآن شروع کیا، تم بکھر گئے!"

رباح سے حُدی اور نصب سننے کے بعد انہیں رامش گروں کی تغنی سے روکنا اور ان لوگوں پر برہم ہونا جو لحنِ فاروقی سننے کے لیے امنڈے تھے لیکن تلاوت کی آواز سنتے ہی منتشر ہو گئے یہ دونوں باتیں اس امر کی ممتاز علامت ہیں کہ فطرت کے مستقیم و منحرف تقاضوں کے ساتھ حضرت فاروقؓ کے تعامل کا کیا اسلوب تھا۔ ان کو تغنی اور سماعِ الحان میں قدغن نہ تھا، لیکن وہ پسند اُس غنا کو کرتے تھے جس میں مغنی ان معانی کو دل نشین طرز میں ادا کرے جس سے شریف اور بلند جذبات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیدار ہوتے ہیں، نہ کہ وہ غنا جو سننے والوں کو ذلّت و پستی کے اُن گڑھوں میں دھکیل دیتا ہے جہاں نفس کی دنائتیں اور شہوانی محرکات طرح طرح کے روپ دھار کے دلوں کو ورغلاتے ہیں۔ پھر یہ امر بھی واضح ہے کہ مراعات بہرحال مراعات ہی ہیں، ان کو مستحسنات کے مقابل نہیں رکھا جاسکتا۔

حضرت عمرؓ کو شعر سے شغف تھا، وہ شعر پڑھتے تھے، مثال میں شعر پیش کرتے تھے، اور لوگوں کو شعر پڑھنے کا شوق دلاتے تھے۔ لیکن اس شغف کے باوجود انہوں نے مدح گو اور ہجو گو شعراء کے ساتھ ذرا بھی مراعات اور چشم پوشی کا برتاؤ نہیں کیا، بلکہ انہیں سزائیں دیں، قید کیا اور زجر و توبیخ کی۔ وہ جانتے تھے کہ انسان کی اجتماعی زندگی میں ذہنی تراوشیں کس قدر پُرکار ہوتی ہیں۔ ہمارے عقائد و عادات، ہمارا علم و فکر اور ہمارے جذبات و عواطف یہ سب کے سب ذہنی تراوشوں سے اثر پزیر ہوتے اور بنتے بگڑتے ہیں۔ ہجو اور مدح جاہلیت کے چلتے ہوئے سکے تھے، اور ان کا تعلق ان بنیادی محرکات سے تھا، جن سے اُس دَور کی اجتماعی زندگی تشکیل پاتی تھی۔ پھر جب قبیلہ کسی دوسرے قبیلے کے خلاف چڑھائی کرتا، تو ہجو و مدح سے جنگ اور دعایۃ کے نعروں کا کام لیا جاتا۔ اس سے قبائل کے شاعر اپنوں کی مدح و توصیف کے پُل باندھتے اور مخالف قبیلوں کی ہجو کرتے۔ لیکن اب، کہ عرب "ایک امت" ہو گئے تھے، جو اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے ایک صف میں کھڑی تھی، ضروری تھا کہ امت کی اجتماعی زندگی اس جاہلی عادت سے پاک ہو جائے، ایک کلمے کے حلقہ بگوشوں کے دل آپس میں مل جائیں، قوتیں متحد ہو جائیں اور تمام امت ایک ایسی وحدت بن جائے جس میں کوئی رخنہ نہ ہو۔ قبائلی نعرے کو ختم کرنے کے لیے حضرت عمرؓ کی یہ سیاست نتیجہ تھی ان کی حکیمانہ استقامتِ فکر اور دقیقہ رسی کا۔

اسلام اپنی اصل و فطرت کے اعتبار سے یکسر روحانی ہے۔ اسی لیے وہ دلوں کو اخوت و مساوات کے رشتوں میں مربوط کرتا ہے: "تم میں سے کسی کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی کچھ نہ چاہے جو وہ خود اپنے لیے پسند کرتا ہے۔" اس لحاظ سے جو کوئی اس دین کا اہل امداد امانت دار ہے ... لامحالہ اپنے دین کو ہر اس چیز سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محفوظ نا ممکن ہو پڑے گا جو اس دین کے مقاصد کے خلاف ہو، یا اس کی راہ میں روک بنے۔

عہد فاروقی میں اسلامی معاشرہ جن مختلف عوامل سے دوچار ہوا، ان میں سے اکثر نہ عہد رسالت ہی میں موجود تھے نہ عہد صدیقی میں۔ اس پر مستزاد یہ تھا کہ رحلت نبوی سے تھوڑی ہی مدت پہلے قبائل عرب فوج فوج اسلام میں داخل ہوئے تھے اور ان کی دینی تربیت راسخ اور مکمل نہ ہو پائی تھی۔ جاہلی رسمیں اور جبلتیں فیض تلقین سے بہت کچھ تو فنا ہو گئی تھیں اور کچھ حالات کی افتاد میں دب گئی تھیں، جو بعد کو سازگار آب و ہوا پا کر آہستہ آہستہ اُبھرنی شروع ہو گئیں آب و ہوا کی یہ سازگاری، عہد فاروقی کی عظیم اور برق رفتار فتوحات تھیں۔ جدید الاسلام حضری اور بدوی عرب مفتوحہ ممالک میں جا کر آباد ہو گئے تھے، وہاں انہوں نے زندگی کا نیا آب و رنگ دیکھا جس کے مظاہر ان کے لیے بالکل اجنبی تھے، اور جس قدر اجنبی تھے اسی قدر ان مظاہر میں ان کے لیے کشش تھی، وہ ان ملکوں کے باشندوں سے گھل مل گئے اور ان کی زندگی کا رنگ انھوں نے بڑی خوشی سے قبول کر لیا۔

ان مختلف عوامل میں اقتصادی عامل کا اثر دوسرے تمام عوامل سے زیادہ گہرا تھا۔ فتوحات نے بہت سے مسلمانوں کو آسودہ حال کر دیا تھا، زندگی کی بہت سی راحتیں اور سہولتیں اُنہیں میسر آ گئی تھیں، وہ ان سے جی بھر کے بہرہ اندوز ہونے کے لیے ان کی طرف دوڑے۔ جو مسلمان عراق و شام و مصر چلے گئے تھے وہ زندگی کی آسائشوں کی طرف اس لیے ٹوٹ پڑے کہ چمن زاروں میں جو رنگا رنگ نعمتیں میسر آتی ہیں، بادیہ نشینی میں ممکن نہیں۔ اور جو لوگ جزیرۃ العرب میں رہے، وہ دولت کی اس ریل پیل کی وجہ سے، جس کا آغاز عہد صدیقی سے ہوا تھا عہد فاروقی میں اپنی انتہا کو پہنچ گئی، اسی عیش میں کھو گئے جو عہد جاہلیت میں ان کی متاع زندگی تھیں اور جو انسانی فطرت کا عام وطیرہ ہیں۔

حالات کے اس تغیر نے ان قوموں کی زندگی میں بھی ایک نیا رجحان پیدا کر دیا، جو مسلمانوں کے مفتوحہ ممالک میں آباد تھیں ——— اور اس رجحان کا خود عربوں کی زندگی پر بھی بڑا گہرا اثر پڑا ———

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ جدید رجحان عراق و شام و مصر و ایران میں ایک خاص ڈھنگ سے نمودار ہُوا: اگرچہ ان قوموں میں ان کے نسلی اختلافات اور جبلتوں کی بنا پر اس کے اثرات مختلف تھے۔ یہ اس لیے کہ عراق و شام میں عربی قبائل آباد تھے، ان میں سے جو قبیلے مسلمان ہو گئے وہ تو اسلامی تعلیمات کے دائرۂ نفوذ میں آ ہی گئے، لیکن جو اپنے دین پر قائم رہے، انھوں نے بھی اس سیاسی اور اقتصادی نظام کا اثر قبول کر لیا جو اسلامی فتوحات نے قائم کیا تھا۔ ایران کا رجحان اس کے ذہنی و طبیعی اور سیاسی عوامل کی بنا پر عراق و شام کے رجحان سے مختلف تھا۔

بلادِ عرب کی اجتماعی زندگی میں؛ اور اسی طرح اسلامی معاشرے کے ماحول میں جو انقلاب پیدا ہُوا، وہ تاریخ اسلام کا ایک فیصلہ کن مرحلہ تھا —— یرموک اور قادسیہ کے معرکوں سے زیادہ کٹھن —— اور یہ حضرت عمرؓ کی مجتہدانہ شخصیت کا، ان کی سیاسی فضیلت سے زیادہ اہم بالشان کارنامہ تھا۔

عہدِ اوّل میں اجتہاد سے غرض یہ نہ تھی کہ فقہ کے ایسے مذاہب قائم کیے جائیں جو مفروضات و خطرات کی موشگافی کریں، بلکہ وہ زندگی کے انھی معاملات و مسائل تک محدود تھا، جو فی الواقع پیش آتے اور دو ٹوک فیصلے کے محتاج ہوتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ صرف انھی چیزوں کے متعلق دریافت کرتے تھے جو ان کے لیے مفید ہوتی تھیں۔ انہوں نے پورے عہدِ رسالت میں صرف تیرہ سوال دریافت کیے اور وہ سب کے سب قرآن سے تعلق رکھتے تھے۔ عمر بن خطاب اس شخص پر لعنت بھیجتے تھے جو غیر واقعی باتوں کے متعلق سوالات کرتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے صحابہ کو تقدیر کے مسئلے پر گفتگو کرتے دیکھا تو —— روایت میں ہے کہ چہرۂ مبارک انگور کے دانے کی طرح سُرخ ہو گیا —— فرمایا: "تم سے پہلے جن لوگوں نے اس مسئلے میں خوض کیا وہ ہلاک ہو گئے"۔ یہی وجہ ہے کہ صحابۂ نبوی میں سے کسی ایک کے متعلق بھی یہ منقول نہیں ہے کہ وہ کارِ زمین سے مُنہ موڑ کے ورائے طبیعی مسائل میں اُلجھتے ہوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے لیے تو بس یہی کافی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کی طرف سے جو دین لے کر مبعوث ہوئے ہیں اس پر ایمان لے آئیں اور اپنی عبادات اور زندگی کے معاملات کی اساس بنالیں اور ان کے لیے سرمایۂ فخر یہ تھا کہ وہ اللہ کی زمین پر اس پیغام اور ضابطۂ حیات کی سلطانی قائم کردیں۔ اسی لیے ان کی پوری توجہ زندگی کے واقعی مسائل پر مرکوز رہتی تھی۔ عہدِ رسالت میں جو مسئلہ انہیں پیش آتا وہ آنحضرت علیہ التحیۃ والسلام سے پوچھ لیتے اور انہیں ہدایت مل جاتی۔ کبھی ایسا ہوتا کہ صحابہ مسائلِ زندگی کے بارے میں اپنی اپنی رائے کا اظہار کرتے اور ان کی رائیں سمعِ نبوت تک پہنچتیں تو جس کی رائے میں صحت و اصابت ہوتی آپ اس کی تصویب فرماتے اور جس کی رائے میں کوئی خطا و لغزش ہوتی اس کو واضح فرما دیتے۔ پھر عہدِ رسالت کے بعد طلبِ ہدایت کی سہولت حاصل نہ رہی تو اس کے سوا چارہ نہ رہا کہ صحابۂ نبوی پورے تفکر و تدبر سے اجتماعی مسائل میں اپنا مسلک متعین کریں۔ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کتاب و سنت میں کوئی چیز مل جائے تو اس کے مطابق فیصلہ کرو۔ اور اگر ان میں کوئی حکم نہ ہو تو اجتہاد کرو۔" اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کی عمل داری پر مامور فرمایا، تو ان سے پوچھا: کس چیز کے مطابق فیصلہ کروگے؟" انہوں نے عرض کی: "کتاب اللہ کے مطابق!" فرمایا: "اگر اس میں کوئی حکم نہ ملے؟" عرض کی: "سنتِ رسول کے مطابق!" فرمایا: "اگر اس میں بھی نہ ملے؟" حضرت معاذؓ نے جواب دیا: "پھر میں اجتہاد کروں گا۔" اس پر آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کچھ فرمایا اس سے امت کو ترتیبِ بنائے اجتہاد کی مستقل ہدایت حاصل ہوگئی اور بعد کے زمانے میں اسی اساس پر اسلامی معاشرے کے تشریعی مسائل کی تشکیل ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "شکر ہے اللہ کا جس نے اپنے رسول کے نمائندے کو وہ توفیق عطا کی جسے اللہ اور اس کا رسول دونوں پسند کرتے ہیں۔"

یہی وجہ ہے کہ عہدِ رسالت کے بعد صحابۂ کرام کو معاملاتِ زندگی میں جو مسائل پیش آئے انہوں نے دین کی امانت کا حق ادا کرنے میں کوتاہی نہ کی۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ وہ بزرگ اپنی رائے کا اظہار کسی مسئلے میں اس طرح نہیں کرتے تھے کہ بس وہی حق ہے اور بہر صورت انہی کا قول واجب الاتباع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علامہ ابن حزم "الاحکام فی اصول الاحکام" میں لکھتے ہیں: "خدا ان بزرگوں سے راضی ہو۔ انھوں نے قول بالرائے، استحسان اور اختیار سے اکثر کام لیا ہے۔ لیکن ان میں سے کسی ایک کے متعلق بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انھوں نے اپنی رائے کو دین بنا کر پیش کیا تھا۔ بلکہ ان بزرگوں نے جب کبھی کوئی رائے پیش کی، یہی کہہ کر پیش کی کہ ان کے ذہن میں اس مسئلے کے متعلق یہ بات آئی ہے۔"

اور آخر وہ اجتہاد کیوں نہ کرتے۔ جب کہ نئے نئے قضیے ان کے سامنے پیش کیے جا رہے تھے اور جن اقوام و قبائل سے ان کو سابقہ پڑا تھا، ان کی زندگی کے حالات بھی مختلف تھے، اور یہ حالات اور یہ قضیے سب ایک ایسی رائے کے محتاج تھے جس کے بغیر نہ معاشری نظم ہی برقرار رہ سکتا تھا، نہ دین کا حقِ امانت ہی ادا ہو سکتا تھا۔

یہ مسائل جس شدت اور کثرت سے عہدِ فاروقی میں پیش آئے۔ اس سے پہلے پیش نہیں آئے تھے۔ علامہ ابن قیم نے "اعلام الموقعین" میں صراحت کی ہے کہ ان میں سے ایک ہزار تو مہماتِ مسائل ہیں۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے حق میں فرمایا کرتے تھے کہ اللہ نے عمرؓ کی زبان اور دل میں حق رکھ دیا ہے۔" اور یہ حق ان کے ہر اجتہاد میں ان کا یار و یاور رہا جب وہ اسلامی معاشرے کی تشکیل و تنظیم کر رہے تھے۔

حضرت عمرؓ کے فکر و عمل کا محور و مدار، جیسا کہ ان کے ہر اجتہاد سے مفہوم ہوتا ہے، یہ تھا کہ اسلام ایک روح اور عقیدہ ہے اور انسان کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک انسان اس روح کو نہ پہچانے جو اللہ نے دینِ حق کے ساتھ اپنے رسول پر وحی کی تھی۔ اس لیے وہ قرآن کے احکام کو اسی روح کے ساتھ منطبق کرتے تھے جس روح کے ساتھ وہ نازل ہوئے تھے۔ اور جب ان کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت قولاً یا فعلاً ثابت ہو جاتی، تو وہ اس سنت کی مناسبت کا ادراک کرتے تاکہ اس کے انطباق و اختیار میں انتہائی ژرف نگاہی سے کام لے سکیں۔ پھر جب کوئی مسئلہ اور کوئی قضیہ ان کے سامنے پیش کیا جاتا، تو اس کو حل کرتے وقت نص کے الفاظ یا روحِ تطبیق کے بعد جو حکم وہ خود اور ان کے اصحابِ شوریٰ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

استنباط کرتے، اس کو پوری طرح نافذ کر دیتے۔ ایک دن حضرت عمرؓ نے ایک معاملے میں اپنی رائے ظاہر کی، اس پر کسی نے کہا: "یہ اللہ اور عمرؓ کی رائے ہے۔" حضرت فاروقؓ نے زجر کیا اور فرمایا: تم نے بہت بری بات کہی۔ یہ عمرؓ کی رائے ہے۔ اگر درست ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور غلط ہے تو عمرؓ کی طرف سے ہے۔" پھر تھوڑے سکوت کے بعد کہا: سنت وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے مقرر فرمائی ہے، رائے کی غلطی کو امت کے لیے سنت نہ بناؤ۔"

لیکن نظری اجتہاد کا انہوں نے کبھی قصد نہیں کیا، اور نہ اس سے خوش ہوتے۔ وہ جانتے تھے کہ نظری اجتہاد اختلاف کا دروازہ کھولتا ہے اور وہ اختلاف کو سب سے زیادہ ناپسند کرتے تھے۔ ایک دن انھوں نے سنا کہ حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابیؓ بن کعب اس مسئلے میں اختلاف کر رہے ہیں کہ کوئی شخص ایک کپڑے میں نماز پڑھے یا دو کپڑوں میں۔ حضرت عمرؓ منبر پر تشریف لائے اور فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابی آپس میں اختلاف کرتے ہیں، پھر مسلمان کیا فتویٰ لیں گے۔ آج کے بعد "میں تم میں سے" دو آدمیوں کو اختلاف کرتے نہ سنوں، ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔ وہ فرمایا کرتے تھے: "اختلاف نہ کرو۔ اگر تم نے اختلاف کیا، تو تمہاری آئندہ نسلیں اس سے بھی زیادہ اختلاف کریں گی۔" خود ان کی روش، جب وہ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے، یہ تھی کہ وہ کسی معاملے میں اس وقت تک اپنی رائے صادر نہ کرتے جب تک اہلِ حل وعقد سے اس کے متعلق مشورہ نہ کر لیتے، اور اس وقت تک اس مسئلے میں بحث و تحقیق سے نہ رکتے جب تک اس رائے کے صواب و صلاح سے پوری طرح مطمئن نہ ہو جاتے جو وہ صادر کرتے تھے۔ وہ جہاں بانی اور معاشرتی تشکیل و تنظیم کے ہر معاملے میں کبار صحابہؓ سے رائے لیتے تھے، اور جب کوئی بڑی مہم پیش آتی تو مسلمانوں کے مجمع عام میں اس کو پیش کرتے تھے۔ عامی سے عامی بھی کوئی صحیح رائے دیتا تو اس کو قبول کر لیتے اور ہمیشہ لوگوں سے یہی فرمایش کرتے کہ جو خیرخواہی کی بات ہو مجھ تک پہنچا دو۔ اگر میں غلطی پر ہوں تو مجھے راہِ صواب دکھاؤ، اور حق پر چل رہا ہوں تو میری مدد کرو۔" ایک بار مسجد میں اسی قسم کا خطبہ دیا، ایک شخص نے اٹھ کر تلوار کھینچ لی اور کہا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر تم حق سے منہ موڑو گے تو ہم اس کے ذریعے تمہیں راہِ راست پر لائیں گے۔" یہ سن کر خوش ہوئے اور فرمایا: "خدا کا شکر ہے، میری قوم میں ایسے لوگ ہیں کہ میری کج روی کو درست کر دینے کا صحیح احساس رکھتے ہیں۔

اجتماعیات میں ان کا مسلک یہ تھا کہ مسلمانوں کی مجلسیں مخصوص اشخاص پر محدود نہیں ہونی چاہئیں۔ وہ ہدایت کیا کرتے تھے کہ ہر قسم کے لوگ باہم مل کے بیٹھا کریں۔ کیونکہ چند لوگ جب اپنی محفل کو مخصوص کر لیتے ہیں تو ان کی رائے عامِ رائے سے الگ ہو جاتی ہے، وہ جماعت سے کٹ جاتے ہیں، اجتماعی تقاضوں پر ان کی نظر نہیں ہوتی اور اس کا نتیجہ اختلاف رائے اور تفریق ہوتا ہے۔ اس لیے وہ نصیحت کیا کرتے تھے کہ تم لوگ اپنی مجلسیں عام رکھو، سب باہم مل کر بیٹھو، اس سے موانست بڑھے گی اور اتحاد و اتفاق جڑ پکڑے گا۔ ایسا نہ ہو کہ آنے والی نسلیں یہ کہیں کہ فلاں کی رائے یہ تھی اور فلاں کا مسلک یہ تھا۔ کیوں کہ اس سے امت کا شیرازہ بکھر جائے گا۔

اسلامی معاشرے میں ان کے فرائض دو گونہ تھے: جہاں بانی اور ملت کی اخلاقی نگہداشت، کیونکہ کوئی قوم جب تک کہ وہ مکارمِ اخلاق سے آراستہ نہ ہو، کارِ جہاں بانی انجام نہیں دے سکتی۔ ان کو اطلاع ملی کہ نعمان بن عدی حاکم میسان نے اپنی بیوی کو خط میں یہ شعر لکھا ہے:

لعل امیرالمومنین یسوءہ

تنادمنا بالجوسق المتھدم

"شاید امیرالمومنین کو ناگوار گزرے کہ ہم لوگ اپنے محلوں میں رندانہ صحبتیں برپا کرتے ہیں۔" فوراً عمل داری سے ان کو برطرف کر دیا اور لکھا کہ ہاں! "مجھے تمہارا یہ چلن ناگوار گزرا۔"

ایک رات وہ مدینۂ مبارکہ کی بستیوں میں گشت کر رہے تھے، ایک عورت کو یہ شعر گاتے سنا۔

اَلا سبیلٌ الی خمرٍ فاشربھا

ام ھل سبیلٌ الی نصرِ بن حجاجِ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"ہے کوئی صورت میری بادہ کشی کی؟ اور ہے کوئی سبیل کہ میں نصر بن حجاج کے پاس پہنچ سکوں۔"

دن نکلا تو حضرت عمرؓ نے نصر کے متعلق دریافت کیا اور اسے بلانے آدمی بھیجا۔ جب وہ بارگاہِ فاروقی میں پیش کیا گیا تو دیکھا کہ حقیقت میں وہ نہایت حسین ہے، چہرہ بھی حسین اور زلفیں بھی حسین۔ حکم دیا کہ اس کے بال مونڈ دیئے جائیں۔ لیکن بال مونڈنے سے اس کا حسن دب نہ سکا، پیشانی اور نمایاں ہو گئی۔ حکم دیا کہ اس کا چہرہ سیاہ کر دیا جائے۔ مگر اس سے بھی اس کا حسن گھٹ نہ سکا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: "نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تو اس جگہ نہیں رہ سکتا جہاں میں رہتا ہوں۔" اس کے لیے وجہ کفاف کا حکم دیا اور اسے بصرہ بھیج دیا۔

اسی طرح ایک شب گشت فرما رہے تھے کہ ایک محلے میں عورتوں کو آپس میں کہتے سنا کہ "مدینے کا سب سے زیادہ حسین شخص کون ہے؟" ان میں سے ایک عورت بولی "ابو ذئب!" جب ابو ذئب کو حاضر کیا گیا تو اسے حقیقت میں مردانہ حسن کا نمونہ پایا۔ بولے "خدا کی قسم! تو عورتوں کا بھیڑیا ہے — تو عورتوں کا بھیڑیا ہے۔" اس کے بعد فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تو اس سرزمین میں نہیں رہ سکتا جہاں میں رہتا ہوں۔" ابو ذئب نے کہا "اگر میرا یہاں سے جانا ہی ضروری ہے تو مجھے وہیں بھیج دیجیے جہاں آپ نے میرے چچا زاد بھائی کو بھیجا ہے۔" — اس کی مراد نصر بن حجاج سے تھی — حضرت عمرؓ نے اس کے لیے بھی وجہ کفاف کا حکم دیا اور بصرہ بھیج دیا۔

نصر اور ابو ذئب کا اپنے حسن میں کوئی گناہ نہ تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ کا اس سے مقصد یہ تھا کہ مدینۃ الرسول کی عورتیں ان کے فتنے سے محفوظ ہو جائیں۔ اور اس طرح اس متشددانہ عمل سے ان کا مدعا ہر اس کمزوری سے جنگ کرنا تھا جو ملت و سلطنت کے دلوں میں ہوا و ہوس کی تخم ریزی کرے۔ اس لیے کہ اخلاقی قوت، اسلام کی روح اور اس کا جوہر ہے۔ اسی کے بل پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسان نفس کی گمراہیوں اور خواہش کی فتنہ انگیزیوں پہ غالب آتا ہے۔ اخلاقی پاکیزگی کی قوت ہی ایک قوم سے ضعف و ناتوانی کی تمام برائیوں کو زائل کرتی ہے اور ہر اس خطرہ کو پسپا کرتی ہے جو اسے اس کے عقیدے سے موڑنا اور گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ اور یہی روح ہے جس نے مسلمانوں کو ضعیفوں اور ناتوانوں پر مہربانی کا حکم دیا، اور مہربانی پر احسان جتانے کو گناہ قرار دیا۔ مہربانی سے مراد یہ تھی کہ ان کے ضعف کا مداوا کیا جائے، مبادا فقر یا جہل یا جسمانی روگ انہیں ایسے گڑھے میں پھینک دیں جہاں ان کی درماندگی اور بڑھ جائے۔ اور جب یہ ضعف دور ہو گیا تو وہ صحت مند ہو گئے، خود اپنی نظر میں ان کی قیمت بڑھ گئی اور وہ اس جماعت کی قوت بن گئے جس سے وہ منسوب تھے۔

حضرت عمرؓ اسلام کی روح کا سب سے قوی ادراک رکھتے تھے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ زندگی کے وہ کون سے محرکات ہیں جو اس روح کو ضعیف کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ ان محرکات کا انتہائی شدت سے مقابلہ کرتے تھے۔ نفس انسانی بلندیوں پر چڑھتے اور پستیوں میں گرتے وقت ایسے محرکات کی کشمکش میں مبتلا ہوتا ہے جن پر اکثر اوقات اس کا کوئی قابو نہیں ہوتا۔ پستیوں میں گرنا اس کے لیے سہل ہوتا ہے اور پستیاں اسے بڑی آسانی سے اپنی طرف کھینچ لیتی ہیں لیکن بلندی اس سے جہادِ نفس کا تقاضا کرتی ہے تاکہ وہ ان بے شمار پھندوں اور جالوں میں نہ پھنس جائے جو زندگی کی فطرت نے اس کے لیے پھیلا رکھے ہیں جنہیں اس نے اپنی بقاء کا لازمہ بنا رکھا ہے اور ان زینتوں سے آراستہ کر رکھا ہے جو ہوائے نفس کو ابھارتی اور اس کی طلب کو بھڑکاتی ہیں۔

اکثر و بیشتر، انسان کج فہمی یا کم فہمی سے ان پھندوں اور جالوں کی زینت و آرائش میں رفاہیت و حضارت دیکھتا ہے اور اس باب میں وہ حیوانوں سے مختلف ہے۔ انسان اور حیوان، دونوں تحفظِ حیات کے لیے غذا کے محتاج ہیں اور بقائے نوع کے لیے توالد و تناسل کے۔ حیوان تغذیہ کے لیے وہی چیزیں حاصل کرتا ہے جو اس کی زندگی کو ... [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نر و مادہ کا باہم اسی قدر تعلق ہوتا ہے جو مقتضائے نسل کے مطابق ہو۔ لیکن انسان تغذیہ اور خواہش تناسل میں اپنے لیے ایک متاع پاتا ہے، اور وہ اس متاع کے حصول کے لیے جو اسباب و وسائل مہیا کرتا ہے۔ وہ اس کے سوا کسی مخلوق کی جبلّت نہیں ہوتے۔

لوگ اس متاع کی طرف اس وقت والہانہ طور پر گرتے ہیں جب ان کے معاشرے زندگی کے دن پورے کر لیتے ہیں اور وہ لب گور کھڑی ہوتی ہیں۔ لیکن نو عمر جماعت پستی و زوال کی گندگیوں سے بچ کر فرازِ پاکیزگی کی طرف بڑھتی چلی جاتی ہے، اور پاکیزگی حیات کو اپنی قوت اور بلندی کا وسیلہ بناتی ہے اور یہی وہ فطرتِ سلیم ہے جس کی طرف اسلام نے بنی نوعِ بشر کو دعوت دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکت مسلمانوں کے لیے مکمل ترین نمونہ بنتی، صحابۂ نبوی نے اسی مقدس نمونے کا اتباع کیا، اور مسلمان اسی جذبۂ اتباع کے سہارے اٹھے جو پاکیزگیٔ زیست کی معنوی قوت نے ان میں پیدا کیا تھا اور جسے ایمان باللہ نے دوچند کر دیا تھا، طاقِ کسریٰ اور ایوانِ قیصران کا پا انداز بن گیا۔ اور بادیہ نشین دلق پوشوں نے دنیا کی ان دونوں بڑی سلطنتوں پر ایسی ضرب لگائی کہ وہ پھر کبھی نہ پنپ سکیں۔

(باقی)

© rasailojaraid.com